خلفائے بنوعباس کے طرز معاشرت کا تحقیقی مطالعہ

*محمد خالد اقبال رضا

**محمد اکرم رانا

Abstract

Main focus of this article is to enlighten the social intercourse of Abbasid caliphs. Abbasid came in power on behalf of Persians. On this quotation, we see the domination of Persian culture and civilization in all fields of life of Abbasid. Abbasids were much inspired by Persians that as soon as they came in power they announced Persian dress as their official dress. In order to gain Persian favors Abbasid caliphs celebrated their (Persians) festivals e.g. Noroz, Maher Jan and Ramroz. Even that the mentioned festivals hadn't any least relationship with Islam rather these were sacred festivals of Zoroastrianism. Abbasids tried their best to run the state in the very Persian way. For this, they gradually started to imitate Persians in approach of luxuries, title, wives, exhilarations, art of construction, religious and national functions and soon these things were imprinted on the meditations and thoughts of Abbasid caliphs. Contrary to Umayyad, Abbasid caliphs were fond of constructions. Therefore, in their reign they built many marvelous and glorious buildings along with colonization of new cities and these buildings possessed great similarity with Persian art of construction. Abbasid caliphs preferred Persian women and maids to Arabian women, that was reason that except a few most of the caliphs were born by maids. Due to these acts of Abbasids, on one hand, the fundamental social setup was

*ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ایس۔ای۔کالج، بہاولپور

**پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

completely changed and, on the other hand the Arabs kept aloof from them due to their extra inclination towards Persians. Eventually it led the expansion of Arabian Persian conflict. However in the rule of Muatassim Billah, this Arabian Persian conflict simmered down for the power and authority had been transferred to the Turks. Majority of the Abbasid Caliphs were captivated in luxurious and extravagant life that's why the sensuous musical parties were the beauty of their palaces. They were having inclination towards hunting, horse racing and chess. In their imitation these games were equally admired by public. In that era Zimis (non-Muslims) had complete religious freedom. It is insured by the presence of Deer-e- Baghdadi, Deer-e- Azari and Deer-ur- Rome churches. Abbasid caliphs not only refrained from interruptions in their religious matters but also attended their religious festivals by the way of approbation and unity. It is not awkward to say that Umayyad caliphate was actually the Arab monarchy but on contrary Abbasid government possessed international importance for their government had Turkish and Persian prevalence. It's an acknowledged fact that no matter how much Islamic prominence was dominated apparently on personal lives of Abbasids but practically their political departments were spirited by Persian monarchs.

انسان مدنی الطبع ہے اور اس میں مل جل کر زندگی بسر کرنے کا فطری رجحان اور داعیہ پایا جاتا ہے۔ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے وہ دوسروں کا محتاج ہے۔ معاشرے کے بغیر انسان اپنے لیے ضروریات فراہم نہیں کرسکتا۔

بغداد کی تاریخ اور خلافت عباسیہ کے قیام وسقوط کی تاریخ پہلو بہ پہلو چلتی ہے بلاد اسلامیہ میں جو خاندان یکے بعد دیگرے تخت وتاج کے وارث ہوئے ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا دارالخلافہ بنایا۔

حضور اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد یثرب کو اپنا مدینہ (شہر یا دارالخلافہ) بنایا، رفتہ رفتہ وہ اسلامی سلطنت کا دارالحکومت بن کر مدینۃ الرسول ﷺ کے نام سے مشہور ہو گیا اور یہ شہر ایک زمانہ تک مسلمانوں کا دارالخلافہ رہا۔

خلفائے راشدین میں سے جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا کیونکہ کوفہ کے لوگ بنو ہاشم اور اہل بیت سے محبت کے دعویدار تھے۔ شائد اسی بھروسہ پر انہوں نے دارالحکومت میں تبدیلی کی جو ان کے حق میں مضر ثابت ہوئی۔(1) کیونکہ ایک تو کوفیوں میں وفا کا فقدان تھا دوسرا یہ لوگ پرلے درجے کے ناقابل اعتماد و اعتبار، سرکش و نافرمان اور مفسد تھے اور ان کی اکثریت شرارت پسند اور فتنہ انگیز تھی جو ہر حکومت کے خلاف شب و روز سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ اس تبدیلی کا تیسرا اثر یہ ہوا کہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں جو قبائل عرب میں توازن برقرار تھا وہ درہم برہم ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں حضرت علیؓ پر کوفیوں کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی (2)، لیکن دارالحکومت کی اس تبدیلی سے جو نقصان ہو چکا تھا اب اس کی تلافی ممکن نہ تھی کیونکہ اس کے بعد خانہ جنگیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا اور ہاشمی و اموی عداوت کھل کر سامنے آ گئی۔ تاہم حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وقتی طور پر اس آتش عداوت میں کچھ کمی واقع ہوئی لیکن عداوت کا یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم نہ ہوا۔

عہد خلفائے راشدین کے بعد حضرت امیر معاویہؓ پہلے حکمران تھے جنہوں نے دمشق میں اپنے لیے قصرِ خضراء کا عظیم الشان محل تعمیر کروایا۔ رومیوں کی تقلید کرتے ہوئے انہوں نے اس میں تخت خلافت نصب کروایا، دروازوں پر دربان مقرر کیے، مسجدوں میں اپنے لیے مقصورے بنوائے۔ (3)

عبدالملک بن مروان نے 72ھ/691ء میں بیت المقدس میں ''قبۃ الصخرۃ'' کے نام سے ایک عالیشان عمارت بنوائی جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ خانہ کعبہ کے ساتھ ساتھ بیت المقدس کی زیارت کو بھی آیا کریں گے۔ عبدالملک بن مروان ہی نے بیت المقدس کے جنوبی حصے میں مسجد الاقصیٰ کے نام سے ایک مسجد تعمیر کروائی جسے حرمین (بیت اللہ اور مسجد نبوی ﷺ) کے بعد بڑی مقدس جگہ تصور کیا جاتا ہے۔(4)

امویوں کے زوال کے بعد جب عباسی تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے دمشق کو بطور دارالخلافہ اپنے لیے موزوں خیال نہ کیا کیونکہ ان کے نزدیک اسے دارالحکومت بنانے میں کچھ قباحتیں تھیں۔

عباسی خلافت کے آغاز پر ابوالعباس السفاح نے پرانے ایرانی شہر انبار کے مقام پر اپنے جدِ اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کے نام سے ''قصر ہاشمیہ''(5) تعمیر کروایا، یہ دریائے فرات کے مشرقی کنارے اور نہر عیسیٰ کے متصل تھا۔ السفاح اپنے انتقال تک اس قصر میں رہائش پذیر رہا، تاہم ابوجعفر منصور نے اپنے بھائی کے انتقال کے بعد اس قصر کے مدِ مقابل اسی نام سے ایک اور قصر تعمیر کروایا جسے لوگ ''قصر ہاشمیہ ثانی'' کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔ بعض

مؤرخین کے نزدیک ہاشمیہ ثانی ایک قصبہ تھا جو پرانے ایرانی شہر ''حیرۃ'' اور ''کوفہ'' کے درمیان واقع تھا اور اس کا رخ دریائے فرات کے مغربی جانب تھا۔(6)

بغداد کی تعمیر سے قبل ابوجعفر منصور نے یہاں پر ایک رات اور ایک دن قیام کیا، اسے یہاں کی آب و ہوا اور اس کا ماحول بڑا پسند آیا کیونکہ بغداد ابوجعفر منصور کے دارالخلافہ کے انتخاب کی تمام شرائط پر پورا اترتا تھا۔

بعض مؤرخین کے نزدیک بغداد کی تعمیر سے قبل یہاں بابل کی قدیم تہذیب موجود تھی اور جدید تحقیق سے بھی مؤرخین کے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ بغداد میں کھدائی کے دوران ایسی اینٹیں بھی ملی ہیں جن پر بخت نصر کا نام اور لقب درج تھا(7)۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ ساسانیوں کے آخری دور میں موجودہ بغداد کی جگہ مہینے میں ایک بار تجارتی منڈی لگتی تھی جسے سوق بغداد کہا جاتا تھا۔حضرت خالد بن ولیدؓ نے 13ھ/635ء میں اس تجارتی منڈی پر حملہ کر کے اہل بغداد کا سارا سامان اپنے قبضہ میں لے لیا۔(8)

بغداد کے معنی ومفہوم:

بعض مؤرخین کے نزدیک بغ سے مراد باغ کے ہیں اور داد اس شخص کا نام تھا جس کا یہ باغ تھا۔(9) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بغ چین کے بادشاہ کا نام تھا جب چینی باشندے تاجروں کے روپ میں شہریوں کو لوٹتے اور یہ لوٹا ہوا مال واسباب لیکر بادشاہ کے پاس جاتے تو کہتے ''بغداد'' یعنی یہ بے تحاشا نفع ہمیں صرف بغ (بادشاہ) کی برکت سے حاصل ہوا ہے۔(10)

بغداد کی مساجد کی محرابیں چونکہ ایک طرف کو جھکی ہوئی تھیں اسی نسبت سے اس کا نام ''زوراء'' یعنی ایک طرف کو جھکا ہوا مشہور ہوگیا (11) جب کہ ابن کثیر کے مطابق دروازوں کے ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے اسے ''بغداد زوراء'' کہا جاتا تھا۔(12) بغداد چونکہ دائرے کی شکل میں تھا اس لیے بعض مؤرخین نے اسے ''مدورۃ'' کا نام بھی دیا ہے۔(13)

بعض لوگوں کے مطابق بغداد کا پرانا نام ''مغداذ'' یا ''مغداده'' تھا کیونکہ مغ کے معنی آتش پرست کے اور داد یا داده کے معنی آباد کرنے والے کے ہیں ممکن ہے کہ اسے کسی آتش پرست نے جس کا نام مغ تھا آباد کیا ہو، اسی نسبت سے اس کا نام آباد کرنے والے نام سے مشہور ہوگیا ہو (14)۔مؤرخین کے نزدیک باغ کے معنی بت کے تھے اور داد کے معنی عطا کرنے یا بخش دینے کے ہیں یعنی بت کا عطا کیا ہوا شہر۔شہر کے معنی چونکہ بت پر محمول تھے اس لیے منصور نے اس کا نام ''دارالسلام'' رکھا۔(15) ابن کثیر کے مطابق دجلہ کو چونکہ وادی السلام بھی کہا جاتا تھا اس

لیے اسی نسبت سے بغداد کا نام دارالسلام ہی استعمال ہوتا تھا لیکن زبان زدخلائق پرانا نام بغداد ہی رہا۔(16) ابو جعفر منصور نے شہر کی بنیادیں رکھتے وقت درج ذیل الفاظ کہے:

بسم اللّٰہ والحمدللّٰہ والارض اللّٰہ یورثھا من یشاء من عبادہ و العاقبۃ لّلمتقین (17)

''شروع اللہ کے نام سے اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں زمین خدا کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور عاقبت پرہیزگاروں کے لیے ہے''۔

تعمیر بغداد کے وقت نجومیوں نے ابوجعفر منصور کو بتایا کہ اس شہر کی یہ خصوصیت ہوگی کہ اس میں کسی بھی خلیفہ کی موت واقع نہ ہوگی چنانچہ بعد میں یہ پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

- ☆ ابوجعفر منصور نے حج کے دوران داعی اجل کو لبیک کہا۔
- ☆ مہدی کا انتقال ماسبذان میں الرذ کے مقام پر ہوا۔
- ☆ ہادی کی وفات عیساباذ میں ہوئی۔
- ☆ ہارون الرشید نے طوس میں وفات پائی۔
- ☆ مامون الرشید نے طرطوس میں انتقال کیا۔
- ☆ معتصم باللہ، واثق باللہ، متوکل علی اللہ، منتصر باللّہ اور اکثر عباسی خلفاء نے سامراء میں وفات پائی۔(18)

ابوجعفر منصور نے بغداد کی تاسیس کے موقع پر بہت بڑا جشن منعقد کیا جس میں دولت عباسیہ کے امراء، وزراء، فوجی جرنیل، علماء اور بڑے بڑے لوگ شامل تھے۔منصور نے بغداد کی تعمیر سے قبل اس کا تفصیلی نقشہ بنوایا اور اُس کے مطابق تعمیر کروایا۔خارجی شہر پناہ کے چار پھاٹک تھے ہر پھاٹک کے اندر ایک اور پھاٹک تھا ان پھاٹکوں میں سے ایک کا نام ''باب الکوفہ'' تھا جو جنوب مشرق میں تھا۔اس پر خالد بن عبداللہ قسری کا بنوایا ہوا پھاٹک نصب کروایا گیا۔(19)

دوسرے کا نام باب البصرہ تھا جو جنوب مشرق میں واقع تھا۔تیسرا پھاٹک باب الخراسان کے نام سے موسوم تھا جو شمال مشرق میں دریائے دجلہ پر واقع تھا اس پھاٹک تک بڑی بڑی کشتیوں کے ذریعے پہنچا جا سکتا تھا۔باب الخراسان کو باب الدولہ بھی کہا جاتا تھا۔چوتھے پھاٹک کا نام ''باب الشام'' تھا یہ شمال مشرق میں تھا اور اس تک انبار کے راستے سے پہنچا جا سکتا تھا۔(20) شہر کے ہر پھاٹک کی حفاظت کے لیے ایک ایک فوجی افسر تعینات ہوتا تھا جس کے ماتحت ایک ہزار سپاہی ہوتے تھے۔(21)

بغداد واقعی بلد القصور تھا یہ قصر اینٹ گارے کے نہیں بلکہ خاص سنگ مرمر کے بنے ہوئے تھے۔ بغداد کے مکانوں کا طرز تعمیر دمشق جیسا تھا تاہم یہاں پر مکانات صرف چند منزلہ ہی تھے اوران کی تز یین و آرائش ایرانی طرز پر کی گئی تھی محل اور حویلیاں سجاوٹ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھیں دروازوں پر ریشمی اور سونے چاندی کی تاروں سے بنائے ہوئے پردے لٹکائے جاتے تھے۔ کمرے دیوانوں، خوبصورت میزوں، چینی کے گلدستوں اور سونے چاندی کی چیزوں سے ایسے اراستہ کیے جاتے تھے کہ آرٹ گیلری کا گمان ہوتا تھا۔ شاہی محلات اندر سے ہیرے جواہرات سے مزین ہوتے اور ہر کمرے کا نام اس کی آرائش وزیبائش کے مطابق رکھا جاتا تھا۔ شہر کے درمیان سے گزرتا ہوا دریا اس کی زیب وزینت میں اضافہ کرتا تھا۔ دریا کے دونوں طرف امراء و روساء کے محل، حویلیاں، مکانات اور باغات کا لامتناہی سلسلہ تھا۔ دریا کے کنارے پانی تک سنگ مرمر کے زینے بنے ہوئے تھے۔ دریا میں موجود پرچم لہراتی ہوئی کشتیوں کا لوگوں کو شہر کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں لے جانا اس کے حسن کو مزید دوبالا کرتا تھا۔ (22) گھاٹ پر چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہازوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہتا۔ ان تمام جہازوں کے درمیان خلیفہ کا جہاز پولیس کشتیوں سے ہر وقت گھرا رہتا تھا۔ (23) ان دنوں بغداد چار اضلاع پر مشتمل تھا دریا دجلہ کے مشرقی کنارے پر بوق اور کلواذہ کے اضلاع تھے جب کہ اس کے غربی کنارے پر ''قطر بل'' اور ''بادریہ'' کے اضلاع واقع تھے۔

بغداد کی مضافاتی آبادیاں:

تعمیر بغداد سے فارغ ہو کر ابو جعفر منصور نے اپنے ارکان سلطنت کو شہر سے باہر جاگیریں عطا کیں، اس کا ایک مقصد بغداد سے آبادی کو کم کرنا اور دوسرا ان ارکان سلطنت کی خدمات جلیلہ کا انہیں صلہ دینا تھا اس طرح یہ جاگیریں جاگیردار یا اس گروہ کے نام سے موسوم ہوتیں جو اس میں آباد تھے۔

اس کے علاوہ عباسی خلفاء نے ترکوں کو بڑے بڑے صوبے بطور جاگیر عطا کیے، یہ ترک سرداران جاگیروں کے عوض مقررہ رقم بطور ہدیہ خلفاء کو بھجواتے۔ معتصم باللہ نے اپنے ترک سردار اشناس کو مصر کا صوبہ بطور جاگیر عطا کیا، معتصم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے واثق باللہ نے بھی ترک سردار ایتاخ کو مصر کا پورا صوبہ جاگیر کے طور پر دیا۔ اس طرح یہ جاگیردار اور گورنر اپنے اپنے صوبے کا لگان پورا کرنے کے لیے عوام پر جائز و ناجائز طریقے سے ٹیکس عائد کرتے (24)، اسی وجہ سے عباسی خلفاء کی اس غیر منصفانہ پالیسی سے عوام غریب سے غریب تر ہوتے چلے گئے۔

145ھ/762ء میں ابو جعفر منصور نے موصل سے نشیب کی طرف ''قصر حرب'' کے نام سے ایک محل تعمیر کروایا اور پھر اس میں سکونت اختیار کی۔ یہ محل آج بھی اسی نام سے معروف ہے اسی محل میں زبیدہ بنتِ ابو جعفر منصور کی ولادت ہوئی۔ یہ جگہ آب و ہوا اور محل وقوع کے اعتبار سے نہایت پر کشش اور حسین تھی اس قصر کے آثار آج بھی موجود ہیں۔(25)

ابو جعفر منصور نے 154ھ/770ء میں مہدی کو ''رافقہ'' کی تعمیر کا حکم دیا(26)،حفاظتی نقطہ نظر سے مہدی نے اس کے گرد ایک فصیل بنوائی اور کوفہ کے گرد خندق کھدوائی۔(27)

''قصر رصافہ'' 151ھ/768ء کی تعمیر حضرت قثم بن عباس بن عبداللہ بن عباسؓ کے مشورے سے ہوئی۔(28) ابتداء میں رصافہ کو ایک فوجی چھاؤنی کی حیثیت سے تعمیر کیا گیا لیکن جلد ہی سول آبادی یہاں منتقل ہو نے لگی۔ اسے بغداد شرقیہ بھی کہا جاتا تھا۔(29) یہ دریائے دجلہ کے ''جسر اوسط'' (وسطی پُل) کے دوسری طرف تھا۔ رصافہ کے مشرق میں ''محلّہ شماسیہ'' تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے پر ''محلّہ حربیہ'' کے عین بالمقابل شرقی بغداد کے باب الخراسان تک پھیلا ہوا تھا جب کہ وسطی پُل کے جنوب میں ''محلّہ مخرم'' تھا۔(30)

ابو جعفر منصور بغداد کے سیاسی حالات کے پیش نظر اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتا تھا اسے اندیشہ تھا کہ مبادا باب الذهب کے دروازے پر متعین فوج شورش پسندوں سے مل کر اس کی جان کے لیے خطرے کا باعث بنے، اس خدشے کے پیش نظر خلیفہ نے اس شہر کی بنیاد رکھی اور اس میں اپنے بیٹے مہدی کے لیے قصر رصافہ تعمیر کروایا۔(31) قصر کی تعمیر کے بعد اس شہر میں بڑی تعداد میں فوج کو متعین کیا گیا۔ عہد مہدی میں بہت سے تجارتی بازار مدينة المنصور سے یہاں منتقل ہو گئے جس نے رصافہ کو اور بھی زیادہ بارونق بنا دیا۔(32) قصر رصافہ کی تعمیر گیارہ سال کے بعد 159ھ/775ء میں مکمل ہوئی۔(33) ہارون الرشید اور برامکہ کی دلچسپی نے اس شہر کی رونق کو چار چاند لگا دیئے اور اب یہ بغداد سے بھی پرانا شہر تصور ہونے لگا اس کی تعمیر کے بعد بغداد کی ساری چہل پہل یہاں سمٹ گئی۔(34)

ابو جعفر منصور نے 155ھ/771ء میں ''المصيصه'' نامی شہر کو آباد کیا، اس کے گرد فصیل بنوانے کے بعد خندق کھدوائی، شہر کی تکمیل کے بعد یہاں پر قیدیوں کو منتقل کر دیا اور اس میں فوج کی ایک بٹالین کو مستقل طور پر متعین کیا گیا۔ شہر کی تعمیر کا کام عباس بن محمد اور صالح بن علی کے ہاتھوں مکمل ہوا۔(35)

قصر خلد کی تعمیر:

ابو جعفر منصور نے 157ھ/773ء میں دریائے دجلہ کے مغربی کنارے باب الخراسان کی سمت کرخ میں ''قصر الخلد'' (جنت کا محل) کا سنگ بنیاد رکھا۔قصر الخلد کو اپنی غیر معمولی خوبصورتی کی وجہ سے ہی اس نام سے موسوم کیا گیا۔اس قصر کی مناسبت سے ہی اس کے آس پاس کے سارے علاقے کو خلد کے نام سے تعبیر کیا جانے لگا۔(36) اس کے دروازوں پر سونے چاندی کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔اس کے بڑے بڑے ستون بہترین نقش و نگار سے مزین تھے۔اس قصر میں ایک خوبصورت تخت بچھا تھا جس کا نام مجلس امیر تھا اس کا فرش سنگ مرمر کی مرصع اینٹوں سے بنایا گیا تھا جوڑوں کی جگہ سونے کی پتیاں لگائی گئیں تھیں اس پر خلیفہ کی مدح میں چند اشعار نقش و نگار کی صورت میں کنداں تھے اس مجلس میں موتیوں سے مرصع کرسیاں بچھی ہوتیں، جن پر سلطنت کے بڑے بڑے ارکان براجمان ہوتے۔اس مجلس امیر کے درمیان ایک گنبد تھا جس میں خلیفہ جلوہ افروز ہوتا اس کا فرش سونے سے تیار کیا گیا تھا۔شاہی محل کے سامنے ایک وسیع میدان تھا جس کو ''مربع'' کہتے تھے اس میں فوجیوں کا جائزہ و معاینہ، ان کی پریڈ اور مختلف قسم کے فوجی کرتب ہوتے تھے۔رات کے وقت ''مربع'' میں لمپ روشن کیے جاتے۔ابو جعفر منصور فوجی وردی زیب تن کیے ہوئے چبوترے پر کھڑا ہو کر یا تخت پر بیٹھ کر فوجوں کا جائزہ لیتا جب کہ ہارون الرشید، مامون الرشید اور معتصم باللہ سوار ہو کر فوجوں کا جائزہ یا پریڈ کا معائینہ کرتے۔(37)

158ھ/774ء میں قصر الخلد کی تعمیر مکمل ہوئی۔ابو جعفر منصور نے اس میں چند دن ٹھہرنے کے بعد حج کے لیے رخت سفر باندھا اور راستے ہی میں تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔

قصر الخلد کے نشیب میں لیکن ''قران الصراط'' سے تھوڑا سا بلندی پر ''قصر القرار'' نامی محل تھا اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس محل کے ساتھ ایک تالاب تھا جس کا پانی ہمیشہ ساکن رہتا تھا اسی وجہ سے اس محل کا نام ''قصر القرار'' رکھا گیا۔اس کا دوسرا نام قصر زبیدہ تھا ملکہ زبیدہ نے اپنے بیٹے امین الرشید کے دلخراش مصائب اپنی آنکھوں سے اس محل میں رہتے ہوئے دیکھے اور اپنی زندگی کے آخری ایام اسی محل میں بسر کیے۔اس قصر کا تیسر نام ''قصر امِ جعفر'' تھا جو زبیدہ ہی کا نام تھا۔(38) امین الرشید کے محاصرے کے دوران قصر الخلد (قصر القرار) پر اس قدر شدید سنگ باری کی گئی کہ قتل امین کے بعد ان دونوں محلوں کی حالت نہایت خستہ ہو گئی۔(39)

ہارون الرشید نے بھی دریائے دجلہ کے کنارے ایک خوبصورت قصر بنوایا جو اپنی مثال آپ تھا اس کے

ستون سنگ مَرمَر کے تھے۔ ہارون الرشید اپنے قصر کی کھڑکیوں میں بیٹھ کر ملاحوں کے نغموں سے محظوظ ہوتا تھا۔(40) قصر شاہی کے گردونواح میں صدہا عمارتیں تھیں جن میں شاہی خواتین ،خواجہ سرا اور خاص خاص عمال رہائش پزیر تھے اور شہر کا ایک تہائی حصہ اپنی عمارتوں میں گھرا ہوا تھا مگر قصر شاہی میں سب سے عالی شان ''دربار ایوان'' اور اس کا سامان آرائش اس کا فرش قالین پردے اور تکیے وغیرہ تھے۔اس میں ملکہ زبیدہ کے لیے دیبا کا ایک کارچوبی فرش تیار کیا گیا تھا جس میں یاقوت اور دوسرے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے اس پر لاگت دس لاکھ درہم بیان کی جاتی ہے۔(41)

خلفاء کے ساتھ ساتھ شاہی خواتین کو بھی تعمیرات کا بڑا شوق تھا اس لیے ہارون الرشید کی بیٹی امِ حبیب نے اپنے لیے''قصر ام حبیب''تعمیر کروایا تھا۔(42)

واثق باللہ نے سامرا میں ایک محل تعمیر کروایا جس کا نام''قصر ہارونی'' تھا اس میں ایک سائبان بنوایا جس کا نام''رواق اوسط'' تھا اس سائبان کے ایک جانب انڈے کی شکل کا ایک گنبد تھا جو آسمان سے باتیں کرتا تھا اس گنبد کے درمیان میں لکڑی کا ایک ستون تھا جس پر لاجورد(نیلے رنگ کا ایک پتھر)اور سونے کی پچہ کاری کی گئی تھی اس گنبد کا نام ''قبۃ المنطقہ''اور سائبان کی اس سمت کو''رواق قبۃ المنطقہ '' کہا جاتا تھا۔(43)

عباسی خلفاء کے زوال کے باوجود ان کی تزک و احتشام میں کمی نہ آئی۔مشہور مؤرخ ہٹی المقتدر باللہ کے دربار کی منظر کشی اس انداز سے کرتا ہے کہ اس کے بقول خلیفہ کے جاہ و جلال اور شان و شوکت کی عکاسی غیر ملکی سفراء کے دربار شاہی میں حاضری کے موقع پر دیدنی ہوتی تھی۔

المستعین باللہ کی ماں''مخارق'' کے لیے اس کے دور میں ایک فرش تیار کیا گیا جس میں سونے کی تاروں سے حیوانات اور پرندوں کی تصاویر بنی ہوئی تھیں اور ان کی آنکھوں میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔(44)

عباسی خلفاء کے وزراء اور امراء بھی ان کی تقلید میں پیچھے نہ رہے اور ان کے محلات اپنی شان و شوکت اور وسعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ان قصروں میں قصر عیسیٰ بن علی کو خاصی شہرت حاصل تھی۔اسے نہر رفیل کے دھانے پر تعمیر کیا گیا۔

اسی طرح محمد بن سلیمان نے بصرہ میں ایک عظیم الشان قصر بنوایا یہ جگہ آب و ہوا کے لحاظ سے بڑی لطیف اور محل وقوع کے اعتبار سے نہایت دلکش تھی۔(45)

"قصر جعفر" دریائے دجلہ کے کنارے مشرقی بغداد کے جنوبی حصے میں محلّہ مخرم کے نشیب میں واقع تھا

اسے ہارون الرشید کے وزیر جعفر برمکی نے بنوایا تھا اوراس کا نام قصر جعفر تھا۔ خاندان برامکہ کی بربادی کے بعد عباسی خلافت کی آخری چار صدیوں میں خلفاء یہاں پر رہائش پذیر تھے۔ یہاں خلفاء کی سکونت کے بعد اس کے گردونواح میں اور بھی محل تعمیر ہونے لگے پھر یہی دار الخلافہ مشہور ہو گیا۔ امین الرشید کے قتل کے بعد جب مامون الرشید اس قصر میں رہنے لگا تو یہ "قصر مامونی" کہلانے لگا جب اس قصر میں مامون الرشید کے وزیر حسن بن سہل نے سکونت اختیار کی تو یہ "قصر حسنی" کے نام سے مشہور ہو گیا۔(46)

جعفر برمکی نے محلّہ مخرم کے جنوبی حصہ میں اپنے لیے ایک قصر تعمیر کروایا۔ جب خلیفہ ہارون الرشید نے اس فن تعمیر کی بڑی تعریف کی تو جعفر برمکی نے برجستہ جواب دیا امیر المومنین! میں نے یہ خوبصورت محل اپنے لیے نہیں بلکہ شہزادہ مامون الرشید کے لیے بنوایا ہے۔ یہ سن کر خلیفہ بڑا شادکام ہوا اور اسے قبول کیا۔ مامون الرشید نے اپنی عمر کا اکثر حصہ اس میں ہی بسر کیا۔ مامون الرشید نے اس قصر کے نشیب میں چوگان بازی کے لیے ایک میدان تیار کروایا۔ مامون کو یہ جگہ اس قدر پسند تھی کہ اس نے اس قصر کے ساتھ ہی ایک اور محل کی بنیاد رکھی جو قصر مامونیہ کے نام سے مشہور ہوا۔(47)

عباسی خلافت جب سامرا سے دوبارہ بغداد منتقل ہوئی تو قصر جعفر کے نزدیک دو اور محل ''قصر فردوس'' اور ''قصر تاج'' کے نام سے تعمیر ہوئے، ان محلات کی پشت پر باغات اور امراء سلطنت کے چھوٹے چھوٹے قصر تھے۔

عباسی فرمانروا چونکہ ایرانیوں سے بڑے متاثر تھے اس لیے انہوں نے اپنے نظام حکومت کو اس کے نظم مملکت میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس طرح رفتہ رفتہ ایرانی شاہد وشراب، القاب، بیویاں، سرور (گیت) فن تعمیر، مذہبی اور قومی تقریبات میں ایرانیوں کی تقلید جیسے امور عباسی خلفاء کے افکار و تخیلات پر چھا گئے۔

عہد عباسی میں دربار دو طرح کے ہوتے تھے ایک دربار عام اور دوسرا دربار خاص۔ دربار عام میں بڑے بڑے ایوان ہوتے جو ہر وقت درباریوں اور ضرورتمندوں سے کھچا کھچ بھرے رہتے۔

دربار خاص شہزادوں، جلیل القدر عہدیداروں، عالموں اور قاضیوں کے لیے مخصوص تھا ان میں فوجی پہرہ دار نہ ہوتا تھا ولی عہد خلیفہ سے دوسری نشست پر بیٹھتا اور درباری تخت کے دونوں اطراف بہ لحاظ حفظ مراتب دو قطاروں میں بیٹھ جاتے۔

عباسی خلفاء کے درباریوں کی تین قسمیں تھیں پہلے طبقے میں شہزادے اور اعلیٰ حکومتی عہدیداران شامل تھے اس قسم کے لوگوں کی نشستیں خلیفہ سے دس میٹر کے فاصلے پر ہوتیں، فن موسیقی کے ماہرین بھی اس طبقہ میں شامل

تھے۔دوسرے طبقہ کے لوگ پہلے طبقہ کے لوگوں سے دس میٹر کے فاصلے پر بیٹھتے تھے اس طبقہ میں خاص ارکان دربار، شاہی ندیم (شاہی مصاحبین) اور علماء و معززین شہر شامل تھے۔تیسرے طبقے کے لوگوں کی نشستیں دوسرے طبقے کی نشستوں سے دس میٹر کے فاصلے پر ہوتیں۔اس طبقے میں نچلی ذات سے تعلق رکھنے والے اور جسمانی نقص والے لوگ شامل ہوتے تھے۔

عباسی خلفاء کے محلات بڑے کشادہ ہوتے ان میں گنبد، سائبان، باغات اور وسیع چھتیں ہوتیں جن پر پھولوں کی بیلیں چڑھی ہوتیں، ان سائبانوں میں رہنے والے غلاموں کی تعداد کے مطابق انہیں اربعینی (چالیس) اور ستینی (ساٹھ) کہا جاتا تھا۔عجمیوں کی تقلید ہی میں عباسی خلفاء نے سورج کی تپش کو کم کرنے کے لیے محلوں کی چھتوں کو کچا بنایا تھا اور ان چھتوں پر بھُسہ ملی مٹی سے پلستر کیا جاتا۔دیواروں کی پشت، بانسوں کی کھپچیوں سے منڈھ دی جاتیں، اس طرح اس کے اور دیوار کے درمیان کی جگہ کو برف کی سِلوں سے بھر دیا جاتا۔(48) ابوجعفر منصور کے لیے ایوب خوری نے ایک موٹا آب گیر کپڑا اجو خیش (کتان کا کھردرا کپڑا) کے نام سے موسوم تھا ایجاد کیا، اس کو پانی سے تر کرکے آرام والے کمرے کی دیواروں پر منڈھ دیا جاتا، اس سے کمرے میں ٹھنڈک پیدا ہو جاتی۔

شاہی لباس:

ایرانی ثقافت کے اثرات خلافت عباسیہ کے ہر حصے میں نمایاں نظر آتے ہیں اس طرح لباس کے معاملے میں بھی عباسیوں نے ایرانیوں کی تقلید کی اور ایرانی اقتدار کا اثر قصر خلافت، ارکان سلطنت اور ان کے فیشنوں پر بھی پڑا۔عباسیوں کے برسرِ اقتدار آنے سے ایرانی لباس کو سرکاری لباس کی حیثیت حاصل ہوگئی اور ابوجعفر منصور نے سب سے پہلے مخروطی شکل کی سیاہ ٹوپی کو سرکاری وردی کا حصہ قرار دیا۔اس دور میں زربفت کے لباس کو شاہی لباس قرار دے کر خلعت کی صورت میں دیا جانے لگا۔اسلاف کی طرح ہادی اور ہارون الرشید کے دور میں بھی ایرانی لباس و فیشن کو بڑی پزیرائی حاصل ہوئی۔انہی کے دور میں امام ابو یوسف نے مفتی، قاضی اور علماء کے لیے امتیازی لباس اور عمامے کو ضروری قرار دلایا حالانکہ اس سے قبل ان مذہبی رہنماؤں اور رعایا کے لباس میں کوئی فرق نہ تھا۔(49) ٹوپی کا استعمال اگرچہ عہد ہارون سے پہلے بھی ہوتا تھا تاہم لوگ صرف اسے گھروں میں ہی پہنتے تھے اب نہ صرف اسے گھروں کے باہر پہنا جانے لگا بلکہ لوگ اب ٹوپی کے نیچے ریشمی رومال بھی سر پر رکھنے لگے۔کچھ عرصہ کے بعد اس میں مزید یہ تبدیلی آئی کہ اب لوگ ٹوپی کے ساتھ ساتھ سر پر بنفشی رنگ کا رومال بھی رکھنے لگے۔

لباس کے معاملے میں ایرانی اثر و نفوذ عہد مامون میں اپنے عروج پر تھا کیونکہ اس دور کے اکثر وزراء

ایرانی الاصل تھے اسی وجہ سے بغداد میں ایرانی لباسوں اور فیشنوں سے دلچسپی بڑھنے لگی۔(50) عہد عباسی میں امراء، وزراء، اراکین سلطنت اوراونچے طبقے کے لوگوں کا لباس لمبی چوڑی شلوار، قمیص، صدری یا جیکٹ، گاؤن، قباء، ٹوپی، عباء یا جبہ تھا یہ لوگ پاؤں میں موزے بھی پہنتے تھے جو عام طور پر ریشم، اون یا چمڑے کے ہوتے تھے اور انہیں ''موزاج'' کہا جاتا تھا(51)۔اس طبقے کے لوگ عام طور پر دو قسم کے جوتے پہنتے تھے یعنی جوتے کے اندر چمڑے کے موزے ہوتے تھے اس لیے جب لوگ مساجد یا کسی مقدس جگہ پر جاتے تو جوتے اتار دیتے لیکن موزے پہنے رہتے۔(52)

دورِ عباسی میں فوج کے جرنیل ایک چھوٹی سی ایرانی عباء پہنتے تھے اس عہد میں فوجیوں کے لیے بند بوٹ پہننا لازمی تھا جبکہ ان کے لیے کھلی چپلیں پہننا ممنوع تھیں۔اس دور میں کاتب یا سیکرٹری صدریاں (جیکٹ) پہنتے تھے۔

عہد ہارون میں ان کی ملکہ زبیدہ نے لباس کے معاملے میں بڑی جدت پیدا کی اس نے ایسے نئے ڈیزائن ایجاد کیے جنہیں اس دور کے اعلیٰ طبقے کی خواتین میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔جواہرات سے مرصع ٹیکے اور جوتے انہی کی اختراع ہے ملکہ زبیدہ لباس اور زیب و زینت کا سامان خریدنے میں بڑے اسراف سے کام لیتی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ملکہ زبیدہ نے اعلیٰ نقش و نگار کا ایک کپڑا پچاس ہزار دینار سے بھی زیادہ میں خریدا۔(53) اس عہد میں شاہی اور اعلیٰ درجہ کی خواتین سر پر ایک رومال باندھتیں، جو جواہرات سے مرصع ہوتا اور اس کے ساتھ ساتھ سونے کی ایک زنجیر بھی باندھی جاتی جس میں قیمتی موتی لگے ہوتے تھے۔ایرانی عورتوں کی تقلید میں شاہی خواتین پاؤں میں پازیب اور ہاتھوں میں کڑے پہنتیں۔(54) اس عہد کی عام عورتیں لمبی چوڑی چادر اور قمیص زیب تن کرتیں جو گردن کے پاس کھلی ہوتی تھی۔سردیوں میں ایک چھوٹی چادر اور شال اوڑھنا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔عورتیں گھر سے نکلتے وقت لمبی سی چادر سے اپنے جسم کو ڈھانپ لیتیں تاکہ ان کا لباس گرد وغیرہ سے محفوظ رہے تاہم ایک رومال سر پر لپیٹ کر گردن کے نیچے باندھ لیا جاتا۔(55)

شاہی طعام:

عباسی خلفاء کھانے پینے کی طرف خاص شغف رکھتے تھے۔منصور کھانے پینے کا اسقدر شوقین تھا کہ حکماء کی نصیحتوں کی بھی پرواہ نہ کرتا۔آخر کار اس کی یہی عادت اس کی بیماری اور موت کا باعث بنی۔ایک بار ابو جعفر منصور اپنے چچا سے ملنے ان کے محل گیا تو اس نے خلیفہ کے مزاج کو دیکھتے ہوئے بکرے کے گوشت، انڈوں اور پرندوں

کے گوشت سے ان کی ضیافت کی۔اس دعوت میں خلیفہ نے اپنے طبیب خاص کے منع کرنے کے باوجود خوب کھایا۔(56)

اکثر عباسی خلفاء نبیذ کا شوق فرماتے تھے لیکن ابوجعفر منصور کو اس سے سخت نفرت تھی اس لیے اس کے دستر خوان پر مہمانوں تک کی اس سے ضیافت نہ ہوتی۔

ابوجعفر منصور اگرچہ بسیار خور تھا لیکن اس کے باوجود وہ اس پر بے جا تصرف سے احتراز کرتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ اس نے باروچی خانے کے انچارج سے یہ بات طے کی ہوئی تھی کہ جانوروں کے سری پائے تمہارے ہیں لیکن اس کے عوض تمہیں ایندھن اور مصالحوں کا انتظام کرنا پڑے گا۔(57)

ابوجعفر منصور کی طرح ہارون الرشید بھی کھانے پینے کا بڑا شوقین تھا۔اس کیلئے روزانہ تیس قسم کے کھانے تیار ہوتے تھے۔اس طرح اس کے باروچی خانے کا روزانہ کا خرچ دس ہزار درہم تھا۔کھانے کے معاملے میں ہارون الرشید کا یہ دستور تھا کہ یہ پہلے گرم کھانے کھاتا اور اس کے بعد ٹھنڈے کھانے پسند کرتا۔ابراہیم بن مہدی کا بیان ہے کہ:

> ''ایک دفعہ میں نے رقہ میں ہارون الرشید کی دعوت کی۔کھانے میں ڈیڑھ سو مچھلیوں کی زبانوں سے ایک ڈش تیار کی گئی اور اس پر ایک ہزار درہم خرچ آئے۔(58)

خلیفہ نے اس ڈش کو بڑے ذوق وشوق سے کھایا۔ہارون الرشید ایک خاص قسم کی نبیذ کا (شراب) کا بڑا شوقین تھا جسے عراق کے فقہاء کرام نے حلال قرار دیا ہوا تھا۔(59)

ملکہ زبیدہ کھانے کے معاملے میں بڑی باذوق تھی اس کے دستر خوان پر صرف جواہرات جڑے ہوئے سونے کے برتن ہی استعمال ہوتے تھے اور ایک جوڑ کے برتنوں کا طریقہ بھی اسی کی ایجاد ہے۔(60)

کھانے پینے کے معاملے میں مامون الرشید بھی اپنے اسلاف سے پیچھے نہ رہا۔اس کا خرچہ چھ ہزار دینار یومیہ تھا اس میں سے بیشتر حصہ اس کے باروچی خانہ پر صرف ہوتا تھا۔(61) مامون الرشید کسی کھانے سے خوش ہوکر باورچی کو بڑے سے بڑے انعام دینے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔

عہد عباسی میں امراء اور وزراء صوفوں پر بیٹھ کر میزوں پر کھانا کھاتے میز عام طور پر لکڑی کے بنائے جاتے اور ان پر سیپ کی پچہ کاری ہوتی تاہم خلفاء اپنی حیثیت کے مطابق میزیں استعمال کرتے تھے جیسے خلیفہ واثق باللہ کے استعمال کی میز خالص سونے کی بنی ہوئی تھی۔(62) عام گھروں میں گول میز پر ایک چاندی، پیتل یا تانبے کی بنی ہوئی ٹرے ہوتی تھی جس پر چینی یا چاندی کے برتنوں کو سفید کپڑوں سے ڈھانپ کر رکھا جاتا، امراء و وزراء چینی یا

چاندی کے برتن استعمال کرتے اور ہر رکابی کے ساتھ چاندی یا آبنوس کا ایک چمچ رکھا جاتا جب کہ رعایا عام طور پر تانبے کے برتن استعمال کرتی، روٹیاں عام طور پر ایک چھوٹی سی تھالی میں ڈھانپ کر رکھی جاتی تھیں۔اس دور میں امراء چھری کانٹے کا بھی استعمال کرتی۔عربی میں کانٹے کو"جنکال"اور فارسی میں"جنگال" کہا جاتا تھا۔ملازم میز پر بیٹھے ہوئے افراد کے فرداً فرداً چلمچی میں ہاتھ دھلواتے،اس موقع پر ہر شخص کے ہاتھ صاف کرنے کے لیے اس کے پاس الگ الگ تولیہ رکھا جاتا۔متمول لوگ بلورین (بلورکا) کے گلاسوں میں شربت پیتے۔شربت عام طور پر پانی، چینی اور کسی خوشبودار عرق سے بنائے جاتے تھے۔شراب ایک عام مشروب تصور کیا جاتا تھا البتہ نبیذ کا لفظ خالصتاً کھجور کی بنی ہوئی شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا۔وزراء و امراء کی دعوتوں میں قاضی اور مفتی حضرات بھی اس مشروب سے فیضاب ہوتے تھے جب کہ عام رعایا معمولی شراب پر ہی اکتفا کرتی تھی۔(63)

امراء کی تقلید میں اہل بغداد بھی کھانوں پر فراخ دلی سے خرچ کرتے اور بغداد کے لوگ بے موسم چیزیں کھانے کے بڑے شوقین تھے اس لیے یہ لوگ بے موسی میوہ جات اور سبزیاں حاصل کرنے کے لیے ان اشیاء کے ہم وزن چاندی تک دینے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔(64)

شاہی جلوس:

عباسی خلفاء کے شاہی جلوس جاہ وجلال اور شان وشوکت کے لحاظ سے اموی خلفاء پر سبقت لے گئے تھے عام جلوسوں میں بھی خلفاء کے آگے آگے مختلف باڈی گارڈز (محافظ دستے) جھنڈے اٹھائے ہوئے چلتے جب کہ ان کے روبرو جلاد ننگی تلوار اٹھائے ہوئے چلتا، ان کے پیچھے خاندان عباسی کے امراء، گھوڑوں پر سوار ہوتے، ان کے پیچھے خلیفہ سفید براق (گھوڑے) پر سوار ہوتا اور اس کے جلوس میں ممتاز ارکان سلطنت چلتے۔(65)ان جلوسوں میں عام طور پر خلیفہ کا لباس سیاہ اور قباء بنفشی رنگ کی ہوتی۔سر پر ایک لمبی ٹوپی ہوتی اور اس کے اردگرد سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا جاتا جس میں بیش قیمت جواہرات لگے ہوتے۔ہاتھ میں حضور اکرم ﷺ کی چھڑی اور انگوٹھی ہوتی، گلے میں سونے کی ایک زنجیر ہوتی جو جواہرات سے مرصع ہوتی۔(66) شاہی جلوس میں حج کا جلوس قابل ذکر ہوتا ،حج کے موسم میں بلاد اسلامیہ سے لوگوں کا اژدہام بغداد میں اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا اور لوگ حج سے قبل ہی بغداد میں حج کی تیاریاں کرنا شروع کر دیتے تھے۔جن میں سواری کے اونٹوں کا انتظام، کھانے پینے کی اشیاء، خشک میوہ جات اور کپڑے وغیرہ قابل ذکر تھے۔حجاج کی حفاظت کے لیے فوج کا ایک دستہ بھی ہمراہ ہوتا، جلوس کے آگے منقش

پردوں سے مزین اونٹوں میں سے ایک اونٹ پر امیر الحج ہوتا تھا۔(67) جب سورج ایک نیزہ بلند ہوتا تو خوب شہنائیاں بجتیں جو اس بات کی دلیل ہوتیں کہ اب خلیفہ حج کی سواری پر سوار ہو گیا ہے۔(68) اس کے کچھ دیر بعد خلیفہ ایک سفید ہاتھی پر براجمان برآمد ہوتا۔ ابوجعفر منصور کے حج کے جلوس میں امراء سلطنت اور خاندان خلافت کے ممتاز افراد کا ایک بڑا گروہ بھی شامل ہوتا ان کے پیچھے موسیٰ بن مہدی کے ساتھ اونٹوں پر حرم کی عورتیں ہوتیں اور ان کی حفاظت کے لیے خاص باڈی گارڈز کا دستہ تعینات ہوتا جو ہاتھوں میں سیاہ جھنڈے لیے ہوئے چلتا۔(69) حج کے علاوہ عام طور پر جب خلیفہ محل سے نکلتا تو اس کے ساتھ فوج کا ایک دستہ زرق برق وردیاں زیب تن کیے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ ہوتا۔ ہادی کے حکم سے محافظوں کا ایک دستہ ننگی تلواروں اور کھچی ہوئی کمانوں کے ساتھ خلیفہ کے آگے آگے چلتا تھا، جبکہ ہارون الرشید اور مامون الرشید اکثر اوقات ایک یا دو خدمتگاروں کے ساتھ شہر میں گشت کرتے، جمعہ اور دیگر تہواروں کے موقع پر خلیفہ کا جلوس نہایت شان وشوکت سے قصر سے نکلتا تھا۔(70)

خلافت کی علامتیں:

اموی خلفاء کے پاس حضور اکرم ﷺ کی چادر تھی جو آپ ﷺ نے کعب بن زہیر بن ابی سلمان نامی شاعر سے اس کا مشہور قصیدہ ''بانت سعاد'' سننے پر اسے انعام میں دی تھی۔ اس چادر کے بارے میں مختلف روایات ہیں ایک روایت یہ ہے کہ جب معاویہ بن ابی سفیانؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے یہ چادر کعب بن زہیر سے چالیس ہزار درہم میں خرید لی۔ ان کے بعد یہ اموی اور عباسی خلفاء میں وراثتاً منتقل ہوتی رہی۔(71) جب کہ سلفی نے الطّوریات میں لکھا ہے کہ

" کعب بن زہیر نے یہ چادر فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا اس کی موت کے بعد یہ چادر حضرت امیر معاویہؓ نے اس کے بیٹے سے ہزار درہم میں خرید لی۔(72)

انگوٹھی:

عہد رسالت میں قیصر و کسریٰ صرف ایسے ہی خطوط کو شرف قبولیت بخشتے تھے جس کے ابتداء یا آخر میں کوئی مہر ہوتی۔ اس چیز کو محسوس کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے ایک مہر بنوائی جس پر ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ کندہ تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا (73)۔ یہ مہر دائرے کی شکل میں تھی اس میں سب سے اوپر اللہ، اس کے نیچے رسول اور سب سے آخر میں محمد ﷺ لکھا ہوا

تھا(74)۔ جب کہ ابن کثیر کے بقول یہ مہر تین سطروں پر مشتمل تھی اور اس کی پہلی سطر میں محمد ﷺ، دوسری سطر میں رسول اللہ اور تیسری سطر میں اللہ لکھا ہوا تھا(75)۔ یہ مہر نبوت حضور اکرم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ تک پہنچی، حضرت عثمانؓ سے یہ مہر چاہ اریس میں گر گئی۔ تلاش کے باوجود نہ ملنے پر حضرت عثمان غنیؓ نے اس کی مثل دوسری مہر بنوائی۔(76)

خلفاء عام طور پر اپنی انگوٹھیوں میں ایسی عبارت کندہ کرواتے جن میں پند و نصیحت کی باتیں ہوتیں، جیسے حضرت ابو بکرؓ کی انگوٹھی میں **نعم القادر الله**. (77) ''اللہ ہی سب سے بڑھ کر قادر ہے'' کے الفاظ کندہ تھے اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کی انگوٹھی پر **کفی بالموت واعظ یاعمر**. (78) ''اے عمر نصیحت اور واعظ کے لیے موت ہی کافی ہے'' کی عبارت نقش تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی انگوٹھی پر **لتصبرن اولتندمن** (79) ''صبر کرو ورنہ پشیمان ہونا پڑے گا'' کے الفاظ کندہ تھے۔ حضرت علیؓ کی انگشتری پر **الملک للّه** (80) ''ملک اللہ ہی کا ہے'' کے الفاظ نقش تھے اس معاملے میں خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس نے بھی خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع کی۔ حضرت امیر معاویہؓ کی انگوٹھی پر **لا قوة الا بالله** (81) ''بجز اللہ کے اور کسی میں طاقت نہیں'' کے الفاظ تحریر تھے۔ جب کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی انگشتری میں **لکل عمل ثواب** (82) ''ہر ایک کام کا ایک نہ ایک اجر ہے'' کے الفاظ تحریر تھے بعض مؤرخین کے نزدیک آپ کی انگوٹھی پر **عمر یومن باللّه مخلصاً** (83) ''عمر اللہ پر مخلصاً ایمان رکھتا ہے'' کا نقش تھا عباسی خلیفہ ابو العباس السفاح کی انگوٹھی پر **اللّه ثقة عبداللّه وبه یومن** (84) ''اللہ ہی پر عبد اللہ کا بھروسہ ہے اور وہ اسی پر ایمان لایا ہے'' کی عبارت کندہ تھی جب کہ متوکل علی اللہ کی انگوٹھی پر **جعفر علی اللّه یتوکل** (85) ''جعفر کا بھروسہ اللہ پر ہے'' کا نقش تھا۔

ابتداء خلافت میں اقتدار اعلیٰ کے علامتی نشانات میں رسول اللہ کی عباء آپؐ کا عصاء اور مہر نبوی تھی اور خلفاء ان چیزوں کو ہی خاص خاص تقاریب میں زیب تن کرتے تھے۔(86) اس کے بعد کچھ اور چیزیں بھی اس میں داخل ہوگئیں جو خلافت کی علامت اور امتیازی نشان تصور ہونے لگیں ان تبرکات کو عباسی خلفاء چاندی کے صندوق میں محفوظ رکھتے تھے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ــــــ چادر نبوی ﷺ	ــــــ حضور اکرم ﷺ کا دندان مبارک
ــــــ آپؐ کے چند موئے مبارک	ــــــ آپؐ کی پاپوش مبارک

- علم نبوی ﷺ کا باقی کچھ حصہ
- امام ابوحنیفہؒ کا جبہ
- حضرت یحییٰؑ کا ذراع وغیرہ
- حضرت ابراہیمؑ کا استعمال شدہ وہ برتن جس میں آپ آبِ زم زم پیتے تھے۔

ہر سال 15 رمضان کو ان تبرکات کی زیارت ہوتی تھی۔ خلیفہ اپنے مصاحبین کے ہمراہ ان تبرکات کی زیارت کرتا اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرتا۔ عصا خلافت کی تیسری اہم چیز تھی جب کوئی نیا خلیفہ مسند نشین ہوتا تو چادر، انگوٹھی اور عصا اس کے سامنے پیش کیے جاتے۔ (87)

عہد عباسی میں نشانات خلافت بڑی اہمت کے حامل تھے جو درج ذیل ہیں:

خطبہ، سکہ اور طراز:

اماموں کے خطبوں میں خلیفہ کے لیے دعائیہ کلمات شامل کیے گئے۔ اس کام کا آغاز سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کیا۔ (88) پھر ان کے بعد یہ سلسلہ جاری وساری رہا اور منبر پر خلیفہ کے لیے دعا مانگنا مذکورہ خلیفہ کی حکومت کی علامت سمجھا جاتا تھا، جبکہ اس کے برعکس عہد فاروقیؓ میں گورنر مصر حضرت عمروؓ بن العاص نے مسجد میں منبر بنوایا۔ خلیفہ وقت کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپؓ نے گورنر مصر کی سخت الفاظ میں سرزنش کی اور فرمایا:

> ''مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے منبر بنالیا ہے جس کے ذریعے تم مسلمانوں پر سوار ہو جاتے ہو کیا تم سے اس بات پر قناعت نہ ہوسکی کہ تم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے اور مسلمان تمہارے قدموں میں بیٹھتے۔ میں نے تمہیں اللہ کا واسطہ دیا لیکن پھر بھی تم نے اسے نہ توڑا''۔ (89)

مندرجہ بالا واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خطبوں میں خلیفہ کا اپنے لیے دعائیں کروانا تو درکنار کبائر صحابہ کے نزدیک مسجدوں میں منبر بنوانا بھی کس قدر ناپسندیدہ تھا اسی لیے خلیفہ ثانی نے حضرت عمروؓ بن العاص کی سخت الفاظ میں تنبیہہ کی۔

حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ پر قاتلانہ حملے کے بعد خلفاء صرف مقصوروں تک ہی محدود ہو گئے یا پھر مسجد جانے سے احتراز کرنے لگے پھر ان خلفاء نے نمازیں پڑھانے اور خطبے دینے کے لیے اپنے جانشین مقرر کر دیئے جو منبر پر خلفاء کیلئے دعائے خیر کرے لیکن جب خلفاء پر دورِ انحطاط آیا تو ان کے اختیارات سلب اور صوبے خود مختار ہونے لگے۔ تب یہ غاصب سلاطین خطبوں میں خلفاء کے ذکرِ خیر کے ساتھ خود بھی شریک ہونے لگے، تاہم ان

غاصب حکومتوں کے ختم ہوتے ہی خطبوں میں ان کا نام بھی نکال دیا گیا اور اب ان دعاؤں کو صرف خلیفہ یا سلطان کے لیے ہی مخصوص کر دیا گیا۔(90) تاہم خلافت کے زوال کے بعد دعائے خیر کا یہ سلسلہ تو مفقود ہو گیا البتہ خلفائے راشدین کے حق میں دعاؤں کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔(91)

سکہ:

عجمی عہد میں سکوں پر سلاطین وقت، قلعوں اور جانوروں کی تصاویر ہوتی تھیں پھر طلوع اسلام کے بعد دین کی سادگی اور عربوں کی غیر متمدن زندگی کی وجہ سے سکوں سے بے اعتنائی برتی گئی تاہم اب مسلمان سونے چاندی کے وزن کے اعتبار سے اپنے معاملات طے کرنے لگے۔

جرجی زیدان کے بقول خالد بن ولید نے 15ھ/636ء میں طبریہ کے مقام پر سکے مضروب کروائے یہ سکے رومی دینار کے ہم شکل تھے البتہ اس کے ایک طرف صلیب، تاج اور چوگان کا نقش تھا جب کہ دوسری طرف یونانی حروف میں خالد کا نام (XAAEA) منقوش تھا۔(92)

18ھ/639ء میں حضرت عمر فاروقؓ نے اسلامی سکے جاری کئے جو نوشیروانی سکوں کے مشابہ تھے البتہ ان سکوں پر **الحمد لله، محمد رسول الله اور لا اله الا الله** کے نقوش تھے۔(93) الماوردی کے نزدیک عہد فاروقی میں تین قسم کے درہم رائج تھے یعنی بغلی درہم آٹھ دانگ (چھ رتی وزن کا ایک دانگ ہوتا تھا) کا، طبری چار دانگ کا اور مغربی درہم تین دانگ کا ہوتا۔ خلیفہ ثانیؓ نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری دراہم چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لیے دونوں دراہم کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ اس فارمولے کی رو سے اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔(94) اسلامی درہم عجمی دراہم کے مقابلے میں خالص چاندی کا ہوتا تھا اور اس میں کھوٹ نام کی کوئی چیز نہ ہوتی۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور ان سکوں (ہبیرہ، خالدیہ اور یوسفیہ) میں ہی خراج وصول کرتا تھا اس کے نزدیک ان کے علاوہ خراج کسی اور کرنسی میں قابل قبول نہ ہوتا۔ اس دور میں سکے بنانے کے ٹیکسال ملک کے بڑے بڑے شہروں میں موجود تھے جیسے بغداد، قاہرہ، دمشق، بصرہ اور قرطبہ وغیرہ۔ انہیں دار الضرب کہا جاتا تھا۔(95)

طراز یعنی معرکہ بھی علامات خلافت میں داخل تھا شاہی کروفر اور حکومت کی رسموں میں سے یہ ایک اہم رسم تھی اسلام سے قبل سلاطین عجم اپنے لباسوں پر خود اپنی یا اپنے سے پہلے نامور بادشاہوں کی تصاویر، تلوار کے نقش،

ستاروں، مختلف ناموں یا مخصوص علامات کو حریر و دیباج سے کندہ کرواتے۔ یہ نام، تصاویر اور علامتیں سونے کے تاروں یا رنگین دھاگوں سے جو کپڑوں کے رنگ کے برعکس ہوتے تانے بانے ہی میں منقوش کر دی جاتیں جو واضح طور پر دکھائی دیتیں۔ انہی سے ہی لوگوں کے عہدوں اور مراتب کا فرق معلوم ہوتا تھا۔ مسلمان حکمرانوں نے عظمت و اقتدار میں قیصر و کسریٰ کی تقلید تو کی لیکن شریعت اسلامیہ میں تصاویر کی حرمت کے پیش نظر ان کی بجائے ایسے ناموں اور مقدس کلمات کا منقوش کرنا مناسب سمجھا جس سے نیک فال مراد لی جاتی ہو اور وہ احکام شاہی کے قائم مقام بھی ہو۔ (96)

عباسی خلفاء کے مشاغل:

دولت کی کثرت اور ملک کی خوشحالی کی وجہ سے عہد عباسی میں عوام عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ خلفاء، امراء اور ارکان سلطنت کے محلات رونق اور شان وشوکت میں ضرب المثل تھے غناء وطرب کی محافل کے لیے محلوں کی عمارات عالیشان اور کشادہ رکھی جاتیں تھیں۔ اس دور میں لوگ اپنے آرام وسکون پر کھلے دل سے خرچ کرتے اور زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ خلفاء، وزراء، امراء اور ممتاز ارکان سلطنت کے محلوں میں مغنیوں اور موسیقی کے ماہرین کا ہر وقت جھمگھٹا لگا رہتا، اس موقع پر خلفاء کی محفلیں شان وشوکت اور حسن و جمال کا بے مثل نمونہ پیش کرتیں۔ عباسی چونکہ ایرانیوں سے بڑے متاثر تھے اس لیے انہوں نے اپنی محفلوں کا نظام بھی ایرانیوں سے ہی اخذ کیا۔

ابوالعباس السفاح کا معمول تھا کہ وہ روزانہ کچھ دیر ندیموں اور مغنیوں کی محافل میں گزارتا، ان کی آمد سے السفاح کو بڑی مسرت ہوتی۔ السفاح نے اپنے آخری دور میں ایک خاص وقت مقرر کیا ہوا تھا جب وہ انہیں شرف بازیابی کا موقع دیتا۔ جب یہ لوگ رخصت ہوتے تو انہیں انعام واکرام سے نوازتا جس سے یہ لوگ خوش ہو جاتے ان کے بارے میں خلیفہ کا کہنا تھا کہ یہ لوگ انعام کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہ لوگوں میں خوشیاں بانٹتے ہیں۔ (97)

ابوالعباس السفاح کے برعکس ابوجعفر منصور مجلس عیش ونشاط میں اپنے اور ان کے درمیان پردہ حائل رکھتا تھا اور اس کے مصاحبین کی نشستیں اس سے تقریباً بیس میٹر کے فاصلے پر ہوتی تھیں۔ (98)

مہدی بن ابوجعفر منصور موسیقی کی محفلوں کا بڑا شوقین تھا۔ خلافت کے پہلے سال تک مہدی منصور کی طرح مغنیوں سے دور بیٹھتا اس کے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہوتا تھا لیکن ایک سال کے بعد خلیفہ درمیان میں حائل پردہ سے بے نیاز ہو گیا اور پھر یہ اپنے ندیموں کے ساتھ نشست و برخواست کرنے لگا۔ جب لوگوں نے اس سے کہا کہ امیر

المومنین آپ کا پس پردہ بیٹھنا ہی زیادہ مناسب ہے تو اس پر مہدی بن منصور نے کہا کہ "مشاہدہ دیدار میں بڑا لطف ہے"۔(99) مہدی کے مصاحبین ان مجالس میں نبیذ کا شوق بھی فرماتے جب کہ مہدی ان چیزوں سے اجتناب کرتا تھا۔(100)

ہادی بن مہدی بن ابوجعفر منصور گانے سننے، شراب خوری، کھیل کود اور عمدہ قسم کے گھوڑوں پر سواری کا شوقین تھا۔(101) ابن جامع، ابراہیم موصلی، زبیر بن رحمان اور غنوی اس کے مقرب مغنیوں میں شمار ہوتے تھے وہ ان محافل موسیقی میں اپنے عزت و وقار کا پورا پورا خیال رکھتا تھا اور کوئی ایسی حرکت نہ کرتا تھا جس سے اس کی شان و شوکت اور جاہ وجلال میں فرق آئے۔ اگر کسی مغنی کا گانا اسے پسند آجاتا تو یہ اسے بڑے سے بڑا انعام دینے سے بھی گریز نہ کرتا اور بعض اوقات اس نے مغنیوں کو دس دس لاکھ درہم کے انعام بھی دیئے۔(102)

عباسی خلفاء کے قصروں میں ان مجالس طرب وغناء کا انعقاد بڑے اہتمام سے ہوتا تھا اور قصر کے ایوان صدر میں کسی ایک مقام کو بزم طرب کے لیے مخصوص کر دیا جاتا، اس کے گرد و پیش مخصوص باڈی گارڈ رنگین کپڑے پہنے کھڑے رہتے اور اس کے دائیں بائیں سلطنت کے ممتاز افراد اور اعیان مملکت قطار در قطار کھڑے ہوتے۔(103) ان مجالس طرب وغناء کا سلسلہ صرف بادشاہ کے محلوں تک ہی محدود نہ ہوتا بلکہ ایسی مجالس امراء، وزراء اور ارکان سلطنت کے محلوں میں بھی منعقد ہوتی تھیں۔ جعفر بن یحییٰ برمکی کے محل میں ان مجالس کا انعقاد بطور خاص ہوتا، ان مجالس میں ندیموں اور مغنیوں کو مدعو کیا جاتا جن سے جعفر بن یحییٰ مانوس ہوتا۔ یہ لوگ سرخ، سبز اور زرد لباس میں ملبوس اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے اس کے بعد شراب کے ساغر پہ ساغر چلتے اور ساز چھڑ جاتے۔(104) بعض اوقات ان غناء وطرب کی مجالس کا انعقاد مشترکہ طور پر بھی ہوتا، ان میں ایک طرف خلیفہ اور دوسری طرف ان وزراء کے موسیقار اور مغنی ہوتے، پھر ان میں مقابلہ ہوتا تھا، ان مجالس میں اکثر خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے ابن جامع اور جعفر بن یحییٰ کی طرف سے ابراہیم کے درمیان مقابلہ ہوتا تھا ایک بار ایسا ہی مقابلہ ابن جامع اور ابراہیم کے درمیان ہوا، اس میں ابراہیم کوئی پُرکشش دھن پیش کرنے سے قاصر رہا، اس سے جعفر بن یحییٰ کو خلیفہ کے سامنے بڑی ہزیمت اٹھانا پڑی۔(105)

عباسی خلفاء میں امین الرشید ندیموں اور مغنیوں کو عطیات دینے میں سب سے آگے تھا اسحاق بن ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ اگر امین الرشید اور اس کے ندیموں میں کوئی پردہ حائل ہوتا تو فوراً اسے ہٹا دیا جاتا یہاں

تک کہ وہ چہرے سے نقاب بھی ہٹا دیتا اور وہ ان ندیموں کے درمیان بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتا۔ امین الرشید ایسی مجالس کا اس قدر شوقین تھا کہ قتل سے قبل جب اسے یہ بتایا گیا کہ وہ اس وقت دشمنوں کے نرغے میں ہے تو وہ اس وقت بھی سلیمان بن ابوجعفر منصور کے ساتھ بیٹھا شراب سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور ضعف نامی خاتون اُسے اپنے گانوں سے محظوظ کر رہی تھی۔(106)

اپنے اسلاف کی طرح مامون الرشید بھی موسیقی سے خاص شغف رکھتا تھا امین الرشید کے قتل کے بعد مامون الرشید جب بغداد آیا تو ابتدائی سات سالوں تک یہ مغنیوں اور ندیموں سے دور رہا۔ پھر اس کے بعد ہارون الرشید کی طرح اس نے پردے کے پیچھے سے گانا سننا شروع کیا لیکن تھوڑے عرصے کے بعد ہی اسے یہ پردہ اپنے اور ان کے درمیان رکاوٹ محسوس ہونے لگا لہٰذا اب یہ ان کے درمیان ہی بیٹھ کر گانا سننے لگا۔ دربار مامون میں اس فن کے لوگوں کی بڑی پذیرائی ہوتی، یہی وجہ تھی کہ اس عہد میں اسحاق بن ابراہیم موصلی کو اہم مقام حاصل تھا۔(107) مامون الرشید اس کے فن موسیقی سے بڑا متاثر تھا اس کے بارے میں مامون کا قول ہے۔

> ''اسحاق کی شہرت عوام میں اگر بحیثیت موسیقار نہ ہوگئی ہوتی تو میں اسے منصب قضاء پر مامور کرتا کیونکہ یہ موجودہ زمانے کے تمام قاضیوں سے زیادہ دیندار اور امین ہے اور اچھے کردار و اوصاف کا مالک ہے''۔(108)

خلیفہ معتصم باللہ بھی اسحاق بن ابراہیم کے فن سے بڑا متاثر تھا اس لیے معتصم جب خلیفہ بنا تو اس نے اس کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔(109)

عباسی خلیفہ واثق باللہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ خود بھی فن موسیقی کا بڑا ماہر تھا اور اس نے بہت سی راگنیاں اور نئی دھنیں بنائیں اس کی بنائی ہوئی راگنیوں اور دھنوں کی تعداد سو سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔(110) واثق باللہ عود (ایک خاص قسم کا ساز) بجانے میں اپنا ثانی نہ رکھتا۔ اسے شعر و شاعری اور فن موسیقی پر قدرت حاصل تھی اور تاریخی واقعات اسے ازبر تھے۔ واثق باللہ اس فن میں یدطولیٰ رکھنے کے باوجود اسحاق بن ابراہیم موصلی کی بھی بڑی قدر کرتا اسی لیے واثق باللہ جب بھی شہر سے باہر جاتا اسحاق بن ابراہیم اکثر اس کا شریک سفر ہوتا تھا۔(111)

عباسی خلفاء شکار کے بڑے شوقین تھے اس لیے وہ بڑے اہتمام سے اس مہم پر نکلتے تھے۔ مہدی بن منصور جب شکار کے لیے نکلتا تو اس کے ساتھ فوج ظفر موج ہوتی اور اس مقصد کے لیے باقاعدہ سفر کیے جاتے۔ سوار اس

کے ساتھ ننگی تلواریں لیے چلتے جب کہ غلام اور فوج اس کے پیچھے پیچھے چلتے۔ مہدی شکار کے لیے اکثر دریائے دجلہ کے کنارے کنارے چلتا کیونکہ یہاں پر پرندے اور ہرن بکثرت ملتے تھے۔ (112)

عباسیوں کے دور اول میں گھڑ دوڑ خلفاء، امراء اور اراکین سلطنت کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس دور کے فقہا کرام نے اسے جسمانی ورزش کا ذریعہ اور شرعی نقطہ نظر سے جائز قرار دیا۔ خلفاء اور وزراء گھوڑوں کی تربیت میں غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے۔

عباسی عہد کے کھیلوں میں شطرنج بھی ایک اہم کھیل تصور ہوتا تھا اس کا آغاز ہارون الرشید نے کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کھیل دارالخلافہ میں بڑا مقبول ہو گیا، اس طرح یہ کھیل خلفاء اور امراء سے نکل کر رعایا کا بھی محبوب مشغلہ بن گیا۔ دراصل اس کھیل کو ہندوستان کے قومی کھیل کی حیثیت حاصل تھی۔ بعد ازاں یہ بغداد کے اہم کھیلوں میں شمار ہونے لگا۔ (113)

بغداد آمد کے بعد مامون الرشید شطرنج میں گہری دلچسپی لینے لگا۔ اس نے یہاں آنے کے بعد شطرنج کے بڑے بڑے کھلاڑیوں کو مدعو کیا۔ کھیل کے دوران دوسرے کھلاڑی خلیفہ کے مرتبے کی پیش نظر بہت ڈر ڈر کر کھیل رہے تھے اس پر مامون نے جھلا کر کہا:

> ''شطرنج کھیلنے میں کسی کے رعب و دبدبہ کا لحاظ نہ ہونا چاہیے یہاں پر بھی تم لوگ اس طرح آزادی سے بولو جس طرح تم اپنے گھروں میں بولتے ہو''۔ (114)
>
> معتصم باللہ کو چوگان (پولو) کا بہت شوق تھا ایک دفعہ اس نے اپنے ترک سپہ سالار افشین کو مقابلے کی دعوت دی، جسے افشین نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے کھیل میں بھی امیر المومنین کا مخالف ہونا منظور نہیں ہے۔ (115)

عباسیوں نے ایرانیوں کی تقلید میں باز اور شکرے کے ذریعے شکار کو اپنا معمول بنایا۔ اس طرح خلفاء ہرن، چیتل، خرگوش، مرغابی اور جنگی بطخ وغیرہ کا شکار باز اور شکرے سے کرنے لگے۔ کتوں سے درندوں کا شکار کرنے میں بھی ان پرندوں سے مدد لی جانے لگی۔

چیتے کے ذریعے شکار کرنا معتصم باللہ کا محبوب مشغلہ تھا۔ تاہم معتصم باللہ کے شکار کا یہ طریقہ تھا کہ اس کے شکاری ساتھی شکار کے گرد تین اطراف میں کھڑے ہو جاتے جبکہ شکار کے چوتھی طرف دریائے دجلہ ہوتا تھا۔ اب شکار نہ تو ان کے درمیان سے گزر سکتا تھا اور نہ ہی دجلہ میں کودنا اس کے لیے ممکن تھا اس طرح با آسانی خلیفہ اس

جانور کو شکار کر لیتا۔(116)

عباسی خلیفہ مستنجد باللہ کو شیر پالنے کا بڑا شوق تھا اس لیے اس کے دربار میں شیروں کی کثرت تھی اس سے ملاقاتیوں اور رعایا پر بادشاہ کی ہیبت طاری رہتی۔(117) عباسی خلفاء چونکہ شکار کے شوقین تھے اس لیے اپنے شکاری کتوں کی تربیت کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا تھا ایک شخص کو تربیت کے لیے صرف ایک ہی کتا دیا جاتا تاکہ وہ پوری توجہ کے ساتھ اس کی تربیت کر سکے۔(118)

ایرانی تہذیب وثقافت کی جھلک عباسیوں کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں نظر آتی ہے اور اس عجمی تہذیب وثقافت کے اثرات ہادی، ہارون الرشید اور مامون الرشید کے دور میں اپنے بامِ عروج پر تھے یہی وجہ تھی عباسیوں نے ایرانیوں کی تقلید میں قدیم جشنوں کے موقع پر عظیم الشان اجتماع منعقد کرنا شروع کر دیئے۔خصوصاً نوروز، مہرجان اور رام کے جشن سرکاری تہوار کے طور پر منائے جانے لگے۔ بغداد، بیت المقدس اور دمشق جیسے بڑے بڑے اسلامی شہروں میں عید جیسے تہواروں پر اسلام کے مظاہر پوری طرح اجاگر ہوتے تھے۔عید کی شب بغداد روشنیوں سے جگمگا اٹھتا اور فضا تکبیر وتحلیل کے نعروں سے گونجنے لگتی، اس موقع پر زرق برق کشتیوں پر قندیلیں روشن ہوتیں۔قصر شاہی تو گویا روشنیوں کا شہر دکھائی دیتا۔اس موقع پر عام لوگ سیاہ عباء زیب تن کرتے، سرکنڈے اور کاغذ کی لمبی لمبی سیاہ ٹوپیاں اور صدریاں پہنتے تھے۔(119)

لوگوں کی ٹوپیوں پر درج ذیل الفاظ لکھے ہوتے۔

فسیکفیکھم اللّٰہ وھوا السمیع العلیم.(120)

"اللہ تمہارے لیے ان کے مقابلے میں کافی ہوگا اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے"

نوروز کا تہوار زمینداروں پر ایک مصیبت بن کر نازل ہوا کیونکہ نوروز سے نیا مالی سال شروع ہوتا تھا اور ابھی فصل کی کٹائی شروع بھی نہ ہوتی کہ زمینداروں سے مالگزاری وصول کر لی جاتی، جس سے زمینداروں میں بڑی بے چینی پھیلنی شروع ہوگئی(121)۔تاہم اس تاریخ پر مالگزاری ادا کرنا ضروری تھا۔

سال کے آخر میں مہرجان کا تہوار بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا، عید مہرجان سردیوں کے شروع میں منعقد ہوتی تھی حضرت سلمان فارسیؓ اس دن کی وضاحت اس انداز سے کرتے ہیں کہ ایرانیوں کا اعتقاد تھا۔

''خدا نے یاقوت کا سراغ اپنے بندوں کو نوروز کے دن دیا اور زبرجد (ایک قسم کا زمرد) کا پتہ

مہرجان کے دن دیا تھا جس طرح ان دونوں پتھروں کو باقی پتھروں پر فوقیت حاصل ہے اسی طرح ان دونوں دنوں کو سال کے باقی دنوں پر فوقیت حاصل ہے۔(122)

ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ مہرجان کائنات کے خاتمے کی دلیل اور نوروز دنیا کی ابتداء کی نشانی ہے اس جشن کے موقع پر ایران کے شہنشاہ جواہرات سے مرصع تاج پہنتے جس کے اوپر سورج کی تصویر بنی ہوتی۔اس موقع پر دربار عام منعقد ہوتا جس میں ملک کے نامور لوگوں کو بادشاہ کی خلعت ہائے سے نوازا جاتا۔جاحظ کے بقول اس موقع پر دربار عام میں رعایا کے تمام افراد چھوٹے بڑے، عالم و جاہل اور شریف و رذیل سب کو شرف بازیابی کا موقع دیا جاتا۔(123)

رام روز کو ایرانیوں میں بڑا مقدس خیال کیا جاتا تھا بقول ذرتشت مہرجان اور رام روز دونوں کی تعظیم کی جائے اور دونوں دن عید منائی جائے۔(124) اگرچہ یہ مجوسیوں کا تہوار تھا لیکن عباسی خلفاء اس کا انعقاد بھی بڑے اہتمام سے کرتے تھے۔

خلفائے بنوامیہ عربوں پر اعتماد کرتے تھے جن کی بلاد شام میں اکثریت تھی اس لیے انہوں نے شامیوں پر اعتماد کرتے ہوئے دمشق کو اپنا دارالخلافہ بنایا جب کہ عباسی چونکہ ایرانیوں کے کندھوں پر سوار ہو کر ایوان اقتدار میں داخل ہوئے تھے اس لیے انہوں نے ایرانیوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے بغداد کو اپنا مرکز بنایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایرانی قیادت و سیادت میں پیش پیش نظر آنے لگے۔عباسی خلفاء بیویوں کے انتخاب تک میں عربی نسل کا لحاظ نہ رکھتے جس کی وجہ سے عہد عباسی کے آغاز پر ہی عربوں کا بنیادی نظام معاشرت یکسر تبدیل ہو گیا تھا اسی وجہ سے ابوجعفر منصور ، ہارون الرشید اور مامون الرشید سمیت اکثر عباسی خلفاء نے لونڈیوں کے بطن سے جنم لیا۔اسی چیز کو دیکھتے ہوئے عباسی خلفاء نہ صرف غلاموں کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھتے بلکہ اپنے حرم میں غیر عرب لونڈیوں کو آزاد عرب عورتوں پر ترجیح دیتے۔عباسیوں میں ابوالعباس السفاح اور امین الرشید کو ہی یہ فضیلت حاصل تھی کہ ان کی مائیں آزاد اور عرب عورتیں تھیں جب کہ اس کے برعکس اموی خلفاء میں سے صرف یزید ثالث کی ماں ہی عرب نہ تھی۔عباسیوں کے عجمیوں کی طرف جھکاؤ کو دیکھتے ہوئے عربوں نے ان سے کنارہ کشی اختیار کی ،جس کے نتیجے میں ان کی جگہ غیر عرب اور امِ ولد(کنیزوں کی اولاد) حکومتوں میں نمایاں مقام حاصل کرنے لگے(125)۔اس سے عربوں اور ایرانیوں کے درمیان اختلافات کی ایک وسیع خلیج حائل ہو گئی۔معتصم باللہ کے دور میں علوی عباسی چپقلش سرد پڑ گئی کیونکہ اب ترکوں نے فریقین سے اقتدار چھین لیا تھا یہی وجہ تھی کہ عباسیوں کے دورِاول کے آخر میں بابک خرمی، ماز

یاراور افشین نے جو بغاوتیں بپا کی تھیں وہ دراصل عربوں، ترکوں اور مغاربہ کے خلاف ایرانیوں کے غم وغصہ کا اظہار تھیں البتہ اس عہد میں ذمیوں کو مسلمانوں کی طرح مذہبی آزادی حاصل تھی جس کا اندازہ بغداد میں موجود دیر بغدادی، دیر عذاری اور دیر الروم جیسے گرجوں سے لگایا جا سکتا ہے ۔عباسی خلفاء نہ صرف ان ذمیوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت سے گریز کرتے بلکہ ان سے غیر معمولی یگانگت اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے مذہبی تہواروں میں بھی شرکت کرتے۔

حکومت کی تبدیلی اور عباسی خلافت کے قیام سے جو مذہبی فرق پڑا وہ دراصل نمائشی تھا۔ بغداد کا خلیفہ اپنے اموی پیش رُو کے برعکس دین داری کا لبادہ ضرور اوڑھے رہتا اور بظاہر بڑی مذہبیت بھی جتا تا لیکن درحقیقت یہ اموی خلفاء سے کچھ کم دنیادار ثابت نہ ہوئے۔

خلافت کی اس تبدیلی میں کوئی بنیادی فرق تھا تو صرف یہی کہ وہ عربی سلطنت تھی جبکہ اس کے برعکس عباسی خلافت بین الاقوامی حیثیت رکھتی تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ عباسی حکومت نومسلموں کی حکومت تھی یہی وجہ تھی کہ عباسی خلافت پر پہلے ایرانیوں اور پھر ترکوں کے اثرات نمایاں رہے۔

حواشی

1۔ حسن ابراھیم حسن، تاریخ الاسلام ا لسیاسی، مترجم علیم اللہ صدیقی، مجلس ترقی ادب ، لاہور، 1959ء، جلد2،ص668

2۔ طٰہٰ حسین، ڈاکٹر، علیؓ ونبوہ، مترجم عبدالحمید نعمانی، نفیس اکیڈیمی، کراچی، 1989ء ،ص103

3۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ اسلام ا لسیاسی، جلد2، ص662

4۔ ابن طقطقی ، محمد بن طباطبا، الفخری فی الاداب لسلطانیہ والدول الاسلامیہ، مترجم۔محمود علی خاں، ندوۃ المصنفین، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی، 1969،ص198

5۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، بمطبعة الا استقامة ،القاھرہ، مصر، 1939ء د6،ص87

6۔ عباداللہ اختر، بغداد، ادارہ تخلیقات، لاہور، 2006،ص22

7. Le Stronge, Guy, Baghdad, During The Abbasid Caliphate, Oxford, 1924,P 9-10 عباداللہ اختر، بغداد، ص25

8۔ ایضاً، ص27

9۔ ابن کثیر، ابوالفدا اعمادالدین دمشقی، البدایہ والنھایہ، دارالفکر، بیروت، لنبان، 1978ء، جلد5، حصہ 10، ص110

10۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد2، ص677

11۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص245

12۔ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، جلد5، حصہ 10، ص101

13. Bernard Lewis, The Arabs in History, Hutchinson and Company, (Publisher) Ltd, London,1970, P-83.

14۔ عباداللہ اختر، بغداد، ص27

15۔ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، جلد5، حصہ 10، ص101

16۔ الخطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد ومدینة السلام، طبعة القاہرہ، 1931ء، جلد1، ص77-78

17۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ذکر الخبر بناء مدینة بغداد، بمطبعة الاستقامة، القاھرہ، مصر، 1939ء، جلد4، ص457

ابن الاثیر، ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد ابی عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دارالکتب العلمیة، بیروت، لنبان، 2003ء، جلد5، ص165 ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص245

18۔ حسن ابرہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد2، ص681

19۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد5، ص145

20۔ الخطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد1، ص74-75

21۔ ایضاً، ص76

22. Ameer Ali, Syed, A Short History of the Saracens, Islamic Book Service, Urdu Bazar, Lahore, 1926, p-448.

23. Ibid

24۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الالسلام السیاسی، جلد2، ص587

25۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد5، ص144

26۔ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، جلد5، حصہ 10، ص113

27۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد6، ص297

28۔ ایضاً،ص292

29۔ ابن خلدون، ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد، کتاب العبر ودیوان المبتداء والخبر، دارابن حزم، بیروت، لبنان، 2003ء،جلد1ص1135-1136۔ عباداللہ اختر،بغداد،ص203۔

30۔ ایضاً،ص71

31۔ ابن خلدون،کتاب العبر ،جلد1 ص1135-1136

32۔ عباداللہ اختر،بغداد،ص71

33۔ ابن الاثیر،الکامل فی التاریخ ،جلد5،ص213

34۔ ابن طقطقی ،الفخری فی الاداب السلطانیہ،ص245

35۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح، تاریخ یعقوبی، مترجم۔اختر فتحپوری، نفیس اکیڈیمی، اردو بازار، کراچی،1989ء،جلد2،ص615۔

36۔ عباداللہ اختر،بغداد،ص73

37. Ameer Ali, A Short History of the Saracens, p- 447.

38۔ عباداللہ اختر،بغداد،ص161

39۔ ایضاً

40۔ تمیمی، محی الدین ابومحمد عبدالواحد بن علی، حضارۃ الاسلام فی دارالاسلام،طبعۃ القاھرہ،سن ندارد،ص100

41۔ ندوی، معین الدین احمد، تاریخ اسلام، دارلاشاعت، اردو بازار، کراچی،1986ء،جلد4،ص333

42۔ ایضاً،ص311

43۔ طبری،تاریخ الامم والملوک،جلد7،ص319

44۔ ندوی،تاریخ اسلام،جلد4، ص333

45۔ حسن ابراہیم حسن،تاریخ الاسلام السیاسی،جلد2،ص748

46۔ عباداللہ اختر،بغداد،ص161

47۔ ایضاً،ص250

48۔ ندوی،تاریخ اسلام،جلد4،ص323

49۔ حسن ابراہیم حسن،تاریخ الاسلام السیاسی،جلد2،ص758

50۔ ابن طقطقی ،الفخری فی الاداب السلطانیہ،ص207

51. Ameer Ali, A Short History of the Saracens, p-254.

52۔ امیر علی، سید، مختصر تاریخ العرب والتمدن الاسلامی، ،طبعۃ القاھرہ، 1938ء، ص 388-389

53۔ تمیمی، حضارۃ الاسلام فی دارالسلام، ص 59

54۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 759

55۔ ایضاً

56۔ ایضاً، ص 750

57۔ المسعودی، ابوالحسن علی بن الحسین بن علی، مروج الذھب ومعادن الجوہر، داراحیاء التراث العربی، للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لنبان، سن ندارد،
جلد 3، ص 222۔

58. Hitti, Philip K. The Arabs, Macmillan and Company Ltd, London, 1953, P-87.

59۔ عمر ابوالنصر، الہارون، مترجم۔ محمد احمد پانی پتی، مکتبہ جدید، انارکلی، لاہور، 1955ء، ص 191

60. Hitti, Philip K, History of the Arabs, Macmillan and Company Limited, England,1961,P-302.

61۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 203

62. Ameer Ali , A Short History of the Saracens,P-458.

63. Ibid.

64۔ تمیمی، حضارۃ الاسلام فی دارالسلام، ص 89

65۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، سٹی بک پوائنٹ، اردو بازار، کراچی، 2004ء، ص 135

66. Ameer Ali , A Short History of the Saracens, P-451.

67۔ الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری، الاحکام السلطانیہ، طبعۃ القاھرہ، 1298ء، ص 103 تا 105

68۔ تمیمی، حضارۃ الاسلام فی دارالسلام، ص 54-55

69۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 778

70. Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P-450.

71۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 137

72۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، لبنان، سن ندارد، ص22

73۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر ، فتوح البلدان، بمطبعۃ الموسوعات بشارع باب الخلق ، القاھرہ، مصر، 1901ء، ص467

74۔ حمیداللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور، 1950ء، ص188

75۔ بلاذری، فتوح البلدان، ص467

76۔ ابن خلدون، ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، المکتبۃ التجاریۃ، المکۃ المکرّمہ، 1997ء، جلد1، 286

77۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص139

78۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص115

79۔ المسعودی، ابوالحسن علی بن الحسن بن علی، تنبیہ الاشراف، مترجم۔عبداللّٰہ العمادی، ادارہ الطبع العثمانیہ، سرکارعالی، حیدرآباد دکن، انڈیا، 1926ء، ص145

80 ۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص139

81۔ المسعودی، تنبیہ الاشراف، ص161

82۔ ایضاً، ص192

83۔ ایضاً

84۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص221

85۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص140

86۔ صدیقی، امیرحسین، خلافت وسلطنت، مترجم۔سبطین احمد، جمیعۃ الفلاح، کراچی، 1962ء، ص37-36

87۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص140

88۔ ایضاً، ص141

89۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد1، ص286

90۔ ایضاً

91۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص140

92۔ ایضاً، ص143

93۔ شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ اسلامیہ، اُردوبازار، لاہور، 2005ء، ص261

94۔ الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص251

95۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص146

96۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد1، ص282-283

97۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی جلد2، ص718

98۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص230

99۔ ایضاً، ص277

100۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السطانیہ، ص276

101۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص239

102۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد2، ص718-719
طبری تاریخ الامم والملوک، جلد6، ص439

103۔ امیر علی، مختصر التاریخ العرب والتمدن الاسلامی، ص387

104۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ ص 187

105۔ الاصفہانی، ابوالفرج، کتاب الاغانی، طبعۃ القاہرہ، مصر، 1285ھ، جلد1، ص206 تا 208

106۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد2، ص726 تا 729

107۔ الجاحظ، عثمان بن بحر، کتاب التاج فی اخلاق الملوک، مدونہ احمد ذکی پاشا، طبعۃ القاہرہ، 1944ء، ص44 تا 54۔

108۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد2، ص713

109۔ الاصفہانی، کتاب الاغانی، جلد5، ص200 تا 204

110۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص291

111۔ الاصفہانی، کتاب الاغانی، جلد5، ص356 تا 358

112۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد2، ص784

113. Ameer Ali , A Short History of the Saracens, P- 458.

114۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص275

115. Hitti, History of the Arabs, P-339.

116۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السطانیہ، ص73

117۔ ابن عبدربہ، شہاب الدین احمد، العقد الفرید، طبعۃ القاہرہ، مصر، 1928ء، جلد1، ص198

118۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد2، ص783

119۔ تمیمی، حضارۃ الاسلام فی دار السلام، ص22

120۔ القرآن، 137:2

121۔ حسن ابراہیم حسن ، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد2، ص770

122۔ البیرونی، ابو ریحان محمد بن احمد، الاثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ، مطبوعۃ اڈورڈ سخاؤ، لیبرگ، 1879ء، ص222

123۔ الجاحظ، کتاب التاج فی اخلاق الملوک، ص159

124۔ البیرونی، الاثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ، ص222

125. Hitti, History of the Arabs, P-332

4تا54۔

113.

115.